ماہنامہ تجلّی دیوبند

ایڈیٹر: عامر عثمانی

خدا کی راہ میں خرچ کرنا
دراصل خرچ کرنا نہیں بلکہ جمع کرنا ہے

تاریکیوں میں ایک چراغ

1/50

سالانہ
15/-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ
تجلّی
دیوبند

تیئیسویں ۲۳ سال کا چوتھا شمارہ

ایڈیٹر
عامر عثمانی

اگر

اس دائرے میں ○ سرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس پرچے پر آپ کی خریداری ختم ہے یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت دیں۔ آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں۔ خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائے گا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔ وی پی ساڑھے سولہ روپے (۱۶/۵۰) کا ہوگا۔ منی آرڈر بھیج کر آپ وی پی خرچ سے بچ جائیں گے)

امریکہ۔ نائجیریا۔ کنیڈا۔ انگلینڈ۔ فرانس۔ برما۔ سنگاپور۔ انڈونیشیا اور ملیشیا سے بذریعہ بحری ڈاک دو پونڈ۔ بذریعہ ہوائی ڈاک ۵ پونڈ ▲ بحرین۔ افریقہ۔ سعودی عرب۔ قطر وغیرہ سے بذریعہ بحری ڈاک ایک پونڈ اور دس شلنگ۔ بذریعہ ہوائی ڈاک تین پونڈ ▲ پاکستان سے فی الحال کچھ نہیں ▲ ہندوستان سے پندرہ روپے۔

فہرست مضامین ماہ جون سنہ ۱۹۷۱ء

احوال واقعی	ادارہ	۴
آغاز سخن	عامر عثمانی	۵
تفہیم القرآن	مولانا ابوالاعلیٰ مودودی	۱۵
شرح صحیح مسلم	عامر عثمانی	۱۹
درس حدیث	مولانا مودودی	۲۵
کیا ہم مسلمان ہیں	شمس نوید عثمانی	۳۷
بہتان تراشی کی مہم	مریم جمیلہ	۴۱
مریم جمیلہ اور مولانا مودودی	مترجم شمس نوید عثمانی	۴۳
مولانا مودودی کی مجلس	(ایشیا)	۴۸
جماعت اسلامی اور صوفی نذیر احمد	عامر عثمانی	۵۱
دو غلام	ترجمہ مصطفیٰ اکمل	۵۷
قصہ یحییٰ خاں کی گرفتاری کا	ملّا ابن العرب مکی	۶۰
علم و حکمت کے موتی	(شاہ عبدالقادر جیلانی رح)	۶۷
مسجد سے میخانے تک	ملّا ابن العرب مکی	۶۹
کھرے کھوٹے	عامر عثمانی	۸۳
دیکھ رہا ہوں (نظم)	ماہر القادری	۹۵
حمد و غزل	مختلف شعراء	۹۶

ڈیڑھ روپیہ

سالانہ : پندرہ روپے

پرنٹر و پبلشر عامر عثمانی ... دیوبند

IDEAL BOOK CENTER
آئیڈیل بک سنٹر
AVENUE ROAD BANGALORE

احوال واقعی

مشورہ طلب امور کے جواب میں جن مشوروں سے بے شمار قارئین نے ادارے کو نوازا ان کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ اور مسرت اور فخر کی بات یہ ہے کہ نناوے فی صد حضرات نے صفحات اور قیمت کے اضافے کو اپنے دل کی آواز قرار دیا اور انھیں اصرار ہے کہ زیادہ سے زیادہ مواد پیش کرنے کے سلسلے میں ادارہ اپنے حوصلے ضرور نکالے خواہ قیمت میں کتنا ہی اضافہ کرنا پڑے۔ الحمد للہ فالحمد للہ۔ ہم ان کی خواہش کے احترام اور اپنے حقیر جذبۂ خدمت کے پیش نظر اسی ماہ سے مستقل صفحات ۹۶ کئے دے رہے ہیں اور سالانہ چندہ پندرہ روپے تجویز کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے۔

"مسجد سے میخانے تک" کے بارے میں مشوروں کی نوعیت تادم تحریر ایسی نہیں کہ قطعیت کے ساتھ کوئی فیصلہ کیا جا سکے۔ اتنا تو بہر حال معلوم ہوا کہ ملا کی کو تجلی کے صفحات میں دیکھنا تقریباً تمام ہی قارئین ضروری خیال کرتے ہیں۔ ویسے کچھ افراد کی رائے یہ بھی ہے کہ تجلی جیسے دینی و علمی پرچے کے لئے ملا کی غیر ثقہ تحریریں باعث ننگ ہیں۔

خیال اپنا اپنا نظر اپنی اپنی

اگر ایسی رائے رکھنے والوں کا اوسط ایک فیصد بھی ہوتا تو ہم ملا کی معزولی کے امکانات پر غور کر سکتے تھے مگر اوسط ایک بٹا دس فیصد بھی نہیں لہذا جمہوریت کے موجودہ دور میں اس رائے کو قابل التفات تصور کرنا مشکل ہی ہے۔ ویسے ملا کا فن اگر صرف مزاح برائے مزاح یا طنز برائے طنز کا ہوتا تو عین ممکن تھا کہ اس کی چھٹی پر غور کیا جا سکتا لیکن جو افادیت اور مقصدیت اس کے فن میں ہمیشہ جاری و ساری رہی ہے وہ بے قیمت نہیں۔ اس کی ناقدری ایک نعمت خداوندی کی ناقدری ہوگی لہذا تقدیر کا فیصلہ یہی ماننا پڑے گا کہ ملا اپنی تمام نالائقیوں اور شرارتوں کے ساتھ ہم سب کے سروں پر مسلط رہے۔

زیادہ قارئین کی رائے یہ ہے کہ ملا کے جاری افسانے کا نمبر ہی نکال دیا جائے لیکن دشواری اسمیں یہ نظر آ رہی ہے کہ اس افسانے کی کئی قسطیں پہلے شائع ہو چکی ہیں۔ اب بقیہ حصّہ کو نمبر کی شکل میں چھاپا جائے تو یہ نمبر اپنی جگہ ادھورا رہے گا اور نئے قارئین مشکل میں پڑ جائیں گے۔ لہذا نمبر کا معاملہ کسی اور وقت کیلئے چھوڑ کر روش یہ اختیار کی جا رہی ہے کہ جب تک یہ طویل کہانی قسطوں میں پوری ہو ملا کا ایک اور مضمون بھی شامل اشاعت کیا جاتا رہے۔ چنانچہ اس بار "قصۂ یحییٰ خاں کی گرفتاری کا" پیش خدمت ہے۔ ہمیں یقین ہے یہ مضمون اپنی معنوی لطافتوں کے اعتبار سے خاص اہمیت کا حامل سمجھا جائے گا۔ کاش ملا میں کچھ عقل ہوتی تو وہ کچھ زیادہ ڈھنگ کی چیزیں لکھا کرتا مگر اس گدھے کا کہنا یہ ہے کہ جو تھوڑی سی عقل اس کے کاسۂ سر میں موجود بھی وہ بھی روز افزوں گرانی کی مار سے ایک ٹن یومیہ کے اوسط سے کم ہوتی جا رہی ہے۔ جلد وہ وقت آنے والا ہے جب کھوپڑی میں خلا کے سوا کچھ باقی نہیں رہ جائے گا ــــ اب بتائیے۔ ان واہی باتوں پر کون اس کا سر پھوڑے۔

یہ سنکر آپ کو شاید پریشانی ہوگی کہ پیران کلیر کے سلسلے میں وہ اگلی بار ایک نظم لا رہا ہے۔ ارادہ تو اس کا مضمون ہی لانے کا تھا کیونکہ کلیر کا عرس ابھی مئی میں ہی ہو چکا ہے مگر ہم نے ڈانٹ کر اسے روکا۔ رک تو گیا مگر اس شرط پر کہ مضمون نہیں تو نظم لکھوں گا۔ آخر کیوں لکھو گے؟ اس کا جواب وہ یہ دیتا ہے کہ جذبات سینے میں بھر گئے ہیں۔ اگر خارج نہ کئے گئے تو سینہ پھٹ جائے گا۔ ایسی بیہودہ منطق سے کون سر مارے۔ نتیجہ یہ کہ اگلے شمارے میں آپ کو اس کی نظم "زنانِ عاشقانِ اولیاء" ہضم کرنی پڑے گی۔ قہر ملّا بر جانِ قارئین!

بہن منور ما دیوان نے کیا کہا

مولوی اسعد میاں نے پھول برسائے

آغازِ سخن

ہمارے دیس میں جہاں ایسے صحافیوں کی کثرت ہے جو واقعات و حقائق کو اپنی خاص عینک سے دیکھنے کے عادی ہیں وہاں ایسے صحافی بھی نایاب نہیں جن کا مشاہدہ کسی نہ کسی حد تک بے لاگ کہا جا سکتا ہے۔

صحافیوں کی اس دوسری قسم میں ایک خاتون صحافی منورما دیوان ہیں جن کے متعدد مضامین پچھلے چند مہینوں میں نظر سے گذرے اور ان کے مطالعہ نے یہ تأثر دیا کہ منورما دیوان کا نہ صرف زاویۂ نظر بڑا غنیمت ہے بلکہ ان میں یہ اخلاقی جرأت بھی ہے کہ جس بات کو درست سمجھیں اسے صفائی کے ساتھ کہہ دیں۔

اس کا ایک نمونہ ذیل کے اقتباس میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ اقتباس ان کے ایک مضمون سے لیا گیا ہے جس کا عنوان تھا:۔ "بنگلہ دیش۔ ایک سبق۔ ایک چیلنج"۔۔۔ یہ مضمون ماہ اپریل ۱۹۷۱ء میں اشاعت پذیر ہوا۔۔ وہ لکھتی ہیں:۔

"آج جو لوگ اتنے جوش کے ساتھ مشرقی پاکستان کے مظلوم عوام کے لئے ہمدردی دکھا رہے ہیں، ان پر اس وقت سکتہ اور غنودگی کیوں طاری رہتی ہے جب اپنے ملک میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات میں اقلیتی عوام یعنی مسلمانوں کو قتل و غارت کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس وقت انسانیت کے یہ پجاری ان حرکتوں پر محض گھمنڈ ہی نہیں کرتے بلکہ اسے جائز بھی کہتے ہیں اگر ہمارے ملک کی یہ مخالف جماعتیں صرف انسانیت کے نام اور جذبے سے سرشار ہو کر بنگلہ دیش کے لئے اتنی ہمدردی کا اظہار کر رہی ہیں تو واقعی یہ خیالات قابلِ تعریف ہیں لیکن کاش انسانیت کے یہ پتلے اپنے ملک میں بھی انسانی قدروں کا اتنا ہی خیال کرتے۔"

یہ سطور کسی تبصرے کی محتاج نہیں شاید یہی سطور خاص طور پر اس کی محرک بنی ہیں کہ مسلمانوں کے متعدد جریدوں نے ان کا مضمون شوق سے نقل کیا۔ ہم بھی

ان سطور کو صاف گوئی کا ایک اچھا نمونہ تصور کرتے ہیں جن کے پیچھے طرزِ فکر بھی صحت مند اور منطقی ہے لیکن ہمارا خیال ہے کہ موصوفہ کے پورے مضمون میں کچھ اجزأ ایسے بھی ہیں جنھیں نقد و نظر کا موضوع بنایا جا سکتا ہے اور اسی خیال کے اقتضاء پر ہم ان اجزاء کی نشاندہی کرکے فریضۂ نقد ادا کرنا چاہتے ہیں تاکہ موصوفہ تک اگر ہماری آواز پہنچ جائے تو وہ بھی ہماری معروضات پر غور فرمالیں اور اگر ان تک آواز نہ پہنچے تو کم سے کم ان حضرات تک تو پہنچ ہی جائے جنھوں نے ان کے مضمون کو شوق وذوق سے پڑھا ہے۔

موصوفہ فرماتی ہیں:۔

"پاکستان کی حالیہ کشمکش سے ہندوستان کی فرقہ پرست جماعتوں کو بہت کچھ سبق سیکھنا چاہئے۔ سب سے پہلے تو یہ کہ مذہب کے نام پر کسی ملک کو اتحاد کے دھاگے میں پرو دینا ایک خیالِ خام ہے اور یہ نعرہ بے کار ثابت ہو کر رہ گیا ہے۔ پاکستان کی حالیہ گڑبڑ دو علاقوں کے درمیان نہیں بلکہ فوجی حکومت اور مشرقی پاکستان کے عوام کے درمیان ہے۔ اسکے علاوہ یہ بات بھی بے حد اہم ہے کہ مغربی پاکستان میں جماعت اسلامی اور جمعیۃ علمائے پاکستان جیسی دائیں بازو کی پارٹیاں اور کونسل مسلم لیگ تک نے شیخ مجیب الرحمٰن کی حمایت کی ہے — انھوں نے جنرل یحییٰ خاں سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ شیخ مجیب الرحمٰن سے کوئی سمجھوتہ کرلیں اگر مذہب ہی پورے ملک کو اتحاد کے دھاگے میں پرونے کی بڑی کڑی ہوتا تو شاید مشرقی پاکستان میں آزادی کی تحریک اتنا زور نہ پکڑتی۔"

جہاں تک ابتدائی سطور میں کہی ہوئی بات کا تعلق ہے وہ اپنی سطحی مفہوم میں بالکل درست ہے۔ مذہب کا محض نام اور خالی نعرہ واقعتہً اس کا اہل نہیں کہ کسی ملک کو اتحاد کی نعمت سے سرفراز کر سکے اور بھانت بھانت کے رجحانات، تعصبات، مزعومات اور داعیات کو اتفاق کے مضبوط دھاگے میں پرو سکے۔ اگر ہم یہ سمجھتے کہ منورما دیوان نے اسی مفہوم میں یہ بات کہی ہے جس میں ہم کہہ رہے ہیں اور ان کا منشا مذہب کی تاثیر سے انکار نہیں بلکہ مذہب کا فقط نام استعمال کرنے کو وہ لاحاصل قرار دے رہی ہیں تو سوائے تائید کے ہمارے لئے کوئی چارہ نہ تھا لیکن ان کے کلام کا بین السطور بتا رہا ہے کہ ان کا منشا یہ نہیں ہے بلکہ وہ ٹھیک وہی بات کہہ رہی ہیں جو دوسرے بہت سے لوگ اِن الفاظ میں کہتے ہیں کہ مذہب افراد کا ذاتی معاملہ ہے۔ اس میں یہ اہلیت نہیں ہے کہ اجتماعی زندگی کے لئے سیاسی بنیاد فراہم کر سکے اور اسے مرکز ومحور بنا کر کوئی مضبوط اور منصفانہ نظام حکمرانی برپا کیا جا سکے۔

جو مفہوم اِن الفاظ کا ہے ضروری نہیں کہ اسے ہمیشہ انھی لفظوں میں بیان کیا جاتا رہا ہو۔ الفاظ ہر ایک نے اپنے اپنے استعمال کئے مگر ذہن اس ڈھنگ سے سوچنے والوں کا ——— خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، یہی رہا ہے کہ مذہب کو صرف ایک نجی معاملہ رہنا چاہئے جو چند رسمی عبادات تک محدود رہے اور اجتماعی زندگی کی گاڑی اس سے بے تعلق ہو کر چلاؤ۔ افراد کی وفاداریاں کو مرتکز کرنے کے لئے وطن پرستی یا قوم پرستی یا اور کوئی نقطۂ جاذبہ تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں مگر مذہب کو اس کام میں لانے کی کوشش حماقت ہے۔ تنگ نظری ہے۔ رجعت پسندی ہے۔ شر انگیزی ہے۔ جب سے مادّہ پرستانہ ذہن کو سائنسی علوم کے توسّط سے پوری دنیا پر چھا جانے اور غالب آجانے کا موقع نصیب ہوا ہے مذہب کے خلاف پروپیگنڈہ اور بھی تیز ہو گیا ہے اور یہ خیال ایک مسلمہ حقیقت کی حیثیت سے پھیلایا جا رہا ہے کہ مذہب اور سیاست کا کوئی جائز رشتہ نہیں۔ وہ ایک دوسرے

سے متصادم۔ یا کم سے کم مختلف چیزیں ہیں جنھیں ایک دوسرے سے الگ ہو کر چلنا چاہیئے اور الگ چلتے ہوئے بھی ان دونوں کی قدر و قیمت، حقوق اور حیثیات یکساں نہیں، بلکہ سیاست کو نمایاں برتری حاصل ہے اور اسی برتری کی بنا پر وہ حقدار ہے کہ جب ضرورت سمجھے مذہب کے دوائر میں داخل ہو کر من مانے تصرفات کرے اور مذہب کو چون و چرا کا بالکل حق نہ دے۔ مذہب گویا تابع ہے اور سیاست امام۔ مذہب کا درجہ ثانوی ہے اور سیاسی مصالح درجۂ اول پر فائز ہیں۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ منورما دیوان نے اجمالاً جن جماعتوں کو "فرقہ پرست" کہا ہے ان میں "جماعت اسلامی" شامل ہے یا نہیں۔ جو بھی صورت ہو ہمارا آج کا موضوع کوئی خاص جماعت نہیں ہے بلکہ نفس مذہب کو بھی ہم صرف "اسلام" کے معنی میں لے رہے ہیں کیونکہ جہاں تک ہمیں علم ہے دوسرا کوئی بھی مذہب ایسی آسمانی تعلیمات اپنے دامن نہیں رکھتا جو زندگی کے تمام اجتماعی و انفرادی شعبوں پر حاوی ہوں، جن کے ذریعے جہد و عمل اور فکر و نظر کے ہر میدان میں ہدایات حاصل ہو سکیں۔ جو انسان سے مکمل اور ہمہ جہتی اطاعت کا مطالبہ کرتی ہوں اور جن کی حیثیت ایک مربوط، منضبط اور جامع و مانع دستورِ حیات کی ہو۔

جب صورتِ حال یہ ہے تو اسلام کے سوا کسی مذہب کی طرف سے اُس چیلنج کا جواب دینا ممکن نہیں جسکی صدائے بازگشت منورما دیوان کی مذکورہ بالا عبارت کے بین السطور میں گونج رہی ہے۔ اور ہم یقینی طور پر اس پوزیشن میں ہیں کہ اسلام کی طرف سے اس کا جواب دیں۔ لیکن یہ چیلنج پروپیگنڈے کی سطح پر محض ایک للکار ہے مجمل۔ ایک دعوہ ہے بے دلیل۔ ایک نعرہ ہے تفکر سے تہی دامن۔ ایک شور ہے بے معنی۔ مجبوراً ہم جواب بھی مجمل ہی دیں گے۔

یہ عجیب بات ہے کہ اسلام کی ناکامی کا فیصلہ دینے والے دیانتداری اور حقیقت پسندی کے ساتھ یہ جائزہ لینے کی زحمت کبھی نہیں اُٹھاتے کہ اسلام کو کارفرمائی کا موقعہ ملا کس حد تک۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی اعلیٰ درجے کے نسخے کو ناکام قرار دیا جائے اور یہ بالکل نہ دیکھا جائے کہ نسخہ مریض کو پلایا بھی گیا ہے یا وہ محض سرہانے رکھا رہا۔

بات چوں کہ پاکستان کی چل رہی ہے اس لئے اسی کی حد تک ہم محترمہ منورما دیوان سے عرض کریں گے کہ ایک نگاہِ غور پاکستان کی ۲۳ سالہ اجتماعی زندگی اور حکمراں طبقوں کے کردار پر ڈال کر دیکھیں اور اندازہ کریں کہ ان ۲۳ سالوں میں اسلام کے ساتھ وہاں کیا سلوک ہوا ہے کوئی پودا کس حد تک بار آور ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اس کا صحیح فیصلہ اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب اسکے پھلنے پھولنے کی تمام مثبت اور منفی کوششیں کر کے دیکھ لی جائیں۔ اگر روش یہ اختیار کی جائے کہ صرف زبانوں پر اس پودے کا نام رہے مگر نہ تو کھاد فراہم کی جائے نہ دھوپ اور سائے کا مناسب انتظام ہو۔ نہ آبیاری کی طرف توجہ دی جائے۔ نہ آندھیوں اور اولوں سے حفاظت کا اہتمام ہو۔ بلکہ ارد گرد بے شمار ایسے اسباب اور مؤثرات جمع کر دیئے جائیں جو اس پودے کے لئے مضر ہوں، ریت کے ڈھیر اسے دبا کر رکھ دیں۔ کیڑے مکوڑے اس کی شاخ شاخ چاٹ جائیں۔ گرمی اور پیاس اس کی جڑوں کو سکھا ڈالیں۔ تو آخر یہ فیصلہ دینا کیسے معقول اور مبنی بر انصاف قرار پا سکتا ہے کہ اس پودے میں بار آوری کی صلاحیت نہیں۔ یہ سایہ دار درخت بننے کی اہلیت نہیں رکھتا۔

پاکستان کے معاشرے کا انچ انچ ناپ جائیے۔ بالشت بھر جگہ ایسی نہیں ملے گی جہاں اسلام دشمن نظریات کی چھاپ نہ ہو۔ جہاں خدا بیزار سیاست کے جراثیم کلبلیں نہ کر رہے ہوں۔ اسلام جادو نہیں تھا کہ زبان سے اس کی تسبیح رٹی اور آسمان سے اس کے اثرات و ثمرات

کی بارش ہونے لگی۔ زمین سے اس کی منفعتیں اور برکتیں فواروں کی طرح اُبلنے لگیں۔ اسلام کوئی ایسا نسخۂ شفا بھی نہ تھا کہ ملک کے معدودے چند افراد اسے گھول کر پی جائیں اور سارا ملک شفا سے ہمکنار ہوتا چلا جائے۔ اسلام ایک نظامِ زندگی ہے۔ ریاضت اور جفا کشی کا طالب۔ ایثار اور ضبطِ نفس کا متقاضی۔ لگن اور جدوجہد کو لازمۂ حیات قرار دینے والا۔ حرام اور حلال کی اٹل سرحدیں قائم کرنے والا۔ وہ اپنے حلقہ بگوشوں سے کامل وفاداری اور کلی اطاعت طلب کرتا ہے۔ اگر پاکستانی مسلمانوں نے ان قیود و شرائط کو پورا کیا ہوتا اور پھر بھی انھیں اتحاد کی نعمت حاصل نہ ہوتی تب یہ ریمارک معقول قرار دیا جاسکتا تھا کہ مذہب کو ذریعۂ اتحاد بنانا خیالِ خام ہے۔ لیکن اگر ان قیود و شرائط کی پاسداری تو درکنار ان کے بالکل برعکس طور طریق اور یکسر خلافِ اسلام اقدار و افکار کو سینے سے لگا لیا گیا تو قصور صرف مسلمانوں کا ٹھیرے گا نہ کہ اسلام کا۔ ناکام وہ لوگ قرار پائیں گے جنھوں نے اسلام کا نام صرف مطلب برآری کے لئے لیا۔ اسے آلۂ کار بنا کر رکھا۔ اس کے پیروں میں اپنی مرضی کی بیڑیاں ڈالیں اور مسندِ اقتدار دینے کے عوض اسے ٹھیک اس شاہین کا مقام دیا جو محض شکار کے وقت آزاد کیا جاتا ہے اور پھر اسے اس کے پنجرے میں بند کر دیا جاتا ہے۔

جتنی انتھک جدوجہد مختلف ممالک میں قوم پرستی اور وطن پرستی اور نسل پرستی کے نشوونما میں کی جارہی ہے اس سے آدھی کوشش بھی اگر پاکستان میں اسلامی اقدار کو فروغ دینے اور اسلامی معاشرت کی زلفیں سنوارنے میں کی جاتی تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ نتائج حیرتناک نکلتے۔ —— دنیا سر کی آنکھوں سے دیکھ لیتی کہ قوم و وطن کی پرستش کے علاقائی نظریوں کے مقابلے میں خدا پرستی کا آفاقی نظریہ بارآوری کی کتنی زبردست استعداد رکھتا ہے اور اس کے پھل پھول اخلاقی حس رکھنے والوں کے لئے کتنے دلکش ہوتے ہیں۔

مگر پاکستانی حکمرانوں نے اپنی ساری صلاحیتیں معکوس جدوجہد میں کھپا دیں اور نتیجہ سامنے ہے کہ بھائی کو بھائی پھاڑے کھا رہا ہے۔ مسلمان کو مسلمان مارے ڈال رہا ہے۔ یہ فی الاصل اسلام کی ناکامی نہیں علاقہ پرستی، نسل پرستی اور مفاد پرستی کے خبیث جذبوں کے طبعی ثمرات ہیں۔ منوررما دیوان سوچیں کہ مذہب کی بنیاد پر اتحاد کا حصول اگر خیالِ خام ہے تو دوسری کونسی بنیاد ہے جو مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے یا پنجاب کو سندھ یا کراچی کو سرحدی صوبوں سے جوڑے رکھ سکتی ہے۔ ثقافت، کلچر، رسم و رواج طبائع، میلانات، روایات اور فکری زاویئے ہر علاقے کے الگ۔ اسلام کے سوا کوئی بھی قدر مشترک ایسی نہیں جو ہر صوبے کو ایک مستقل اسٹیٹ بننے سے روکے۔ جغرافی خطوط آدمی ہی کھینچتا ہے۔ کل تک لاہور اور دہلی کے درمیان کوئی دیوار نہ تھی۔ آج انسان ہی کے کھینچے ہوئے نئے نقشوں نے انھیں دو ملک بنا دیا ہے۔ پھر کیا مذہب کو نظرانداز کر کے ڈنڈے کے سوا بھی کوئی چیز رہ جاتی ہے جو مختلف صوبوں کو تو درکنار مختلف شہروں اور قصبوں ہی کو ایک دوسرے سے جوڑے رکھے۔ آزادی و خودمختاری جن معنوں میں مشرقی پاکستان والوں نے طلب کی ہے ان معنوں میں ایک معمولی شہر اور قصبہ بھی آزادی و خودمختاری کا مطالبہ کرسکتا ہے جب کہ مذہب اور اس کے فرامین اجتماعی زندگی اور سیاست سے بے دخل کر دیئے جائیں۔

پاکستان کی جماعت اسلامی، جمعیۃ علماء اور کونسل مسلم لیگ نے شیخ مجیب الرحمٰن کی حمایت کی —— یہ ایک مغالطہ انگیز دعویٰ ہے جسے مناسب وضاحت کے بغیر پیش کرنا غلط نتائج تک لے جاسکتا ہے۔ ان جماعتوں نے یہ ضرور خواہش کی کہ صدر یحییٰ قومی اسمبلی بلائیں اور مجیب الرحمٰن کی پارٹی انتخاب میں سب سے بڑھ کر کامیابی حاصل کرنے والی پارٹی کی حیثیت سے اس میں شریک ہو۔ انھوں نے

یہ ضرور رچاہا کہ شیخ مجیب سے معقولیت اور جمہوری اسپرٹ کے ساتھ معاملات طے کئے جائیں اور خون خرابے کی نوبت نہ آئے۔ لیکن اس طرزِ عمل کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ انھوں نے اُس طرزِ فکر اور مشن کی بھی حمایت کی جس کا علامتی نام "شیخ مجیب الرحمٰن" پڑ گیا ہے۔ شیخ اپنے مشہور چھ نکات کے باوجود ابتداءً یہ اظہار ہرگز نہیں کرتے تھے کہ وہ "بنگلہ دیش" کے نام پر ایک خود مختار اسٹیٹ بنانا چاہتے ہیں۔ نہ ان کا یہ موقف تھا کہ مغربی پاکستان الگ ایک ملک اور بنگلہ دیش الگ ایک ملک۔ اسی لئے متذکرہ جماعتیں اس توقع میں حق بجانب تھیں کہ افہام و تفہیم کے ذریعے چھ نکات کا ایسا بھی مصداق برآمد کیا جا سکتا ہے کہ ملک کی سالمیت پارہ پارہ نہ ہو اور مشرقی پاکستان والوں کو مناسب جمہوری حقوق بھی مل جائیں ۔۔ لیکن جس مرحلے میں اس توقع کا خاتمہ ہو گیا اور شیخ مجیب اپنے چھ نکات کو مکمل آزادی و خود مختاری کے مرادف قرار دینے پر آمادہ نظر آئے تو یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ پاکستان کی کوئی بھی جماعت ان سے اتفاق کرتی اور جمہوریت کے نام سے پاکستان کو دو نیم ہو جانے دیتی۔ شیخ مجیب کے مشن کو ناکام بنانے میں صدر یحیٰی نے جن حربوں سے کام لیا ان سے یہاں بحث نہیں۔ ان کی فوجی کارروائیاں جس درجے میں ظلم و بربریت کے دائرے میں آتی ہوں اسی درجے میں اسلام ان سے بری الذمہ ہے۔ اسلام کی کتاب الجہاد اور کتاب البغی وغیرہ اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ وہاں اُس کی ہرگز اجازت نہیں کہ عورتوں بچوں اور غیر متعلق شہریوں کو نشانہ بنایا جائے۔ یحیٰی خاں کے عساکر نے اگر ایسا کیا ہے تو اپنی ذمہ داری پر کیا ہے اسلام کا قانون اُن کا دُم چھلّا نہیں بنے گا۔

بہر حال متذکرہ پارٹیوں کی حمایت کا حدود اربعہ ہم نے واضح کر دیا ۔۔ مگر ان پارٹیوں کی حمایت کا ذکر کرنے کے بعد منور ماد یوان کا یہ کہنا ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ :۔

"اگر مذہب ہی پورے ملک کو اتحاد کے دھاگے میں پرونے کی بڑی کڑی ہوتا تو شاید مشرقی پاکستان میں آزادی کی تحریک اتنا زور نہ پکڑتی۔"

دونوں باتوں میں کیا ربط ہے ؟ ۔۔ اسلام کی نمائندگی کرنے والی جماعتوں نے اگر کسی سطح پر شیخ مجیب کی حمایت کی بھی تو اس سے وہ نتیجہ کیسے نکلا جسے موصوفہ نے حوالۂ قلم کیا ہے ۔

ایک بات اور بھی تنقیح طلب ہے ۔۔ بغاوت اور تحریک آزادی میں آخر کیا فرق ہے ؟ یہ سوال جب تک علمی اور آئینی سطح پر حل نہ ہو مشرقی پاکستان کی تحریک کو کسی خاص صفت سے متصف کرنا قبل از وقت ہوگا۔ "آزادی" بجائے خود ایک "گول" اصطلاح ہے۔ علمی زبان میں اسے ایک اضافی شے کہہ سکتے ہیں۔ مثلاً امریکہ میں آزادی کی وسعتیں اور ہیں اور روس میں اور۔ خود ہمارے یہاں ان دونوں سے مختلف۔ امریکہ میں ریلیں اور ڈاکخانے اور ہوائی جہاز بھی عوام ہی چلاتے ہیں نہ کہ حکومت لیکن اپنے یہاں ہم اس آزادی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ امریکہ میں عوام بلا تکلف کہہ سکتے ہیں کہ ویت نام میں حکومت کا لڑنا قابلِ مذمت ہے۔ فوجیں واپس بلاؤ۔ خوں ریزی بند کرو۔ اس کہنے پر حکومت طوق و سلاسل اور توپ و تفنگ لے کر نہیں دوڑتی۔ مقدمے نہیں چلاتی۔ مگر دوسرے بہت سے ملک ہیں جہاں جمہوریت ہی کے پھریرے اُڑ رہے ہیں ایسی آزادی کو غدّاری اور تخریب کاری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب کا جو موقف ہے اسے تحریکِ آزادی قرار دینے سے پہلے لفظ آزادی کا ایک معین مصداق اور حدود اربعہ واضح کرنا ہوگا۔ یہ بتانا ہوگا کہ غلامی کی تعریف کیا ہے کیونکہ ہر شے اپنی ضد ہی سے پہچانی جاتی ہے۔ مجیب اور ان کے حامی اگر مجاہدینِ آزادی ہیں تو معلوم ہوا کہ

تخلیقِ پاکستان سے اب تک وہ غلام رہے ہیں۔ صرف مظلوم ہونے کا نام غلامی نہیں۔ یہ شکایت کہ ہمارے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا بارہا باپ بیٹوں کے درمیان بھی دیکھی جاتی ہے۔ مگر اسے غلامی تو نہیں۔ اگر "تحریکِ آزادی" کا عنوان اتنا ہی سستا اور بے قیمت ہے کہ جہاں چاہے چسپاں کر دیا جائے تو پھر اپنے ہی دیس میں کن کن تحریکوں کو اس عنوان سے مشرف کرنا آسان نہ ہو جائے گا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ منور ما دیوان اپنی وسیع النظری اور انصاف پسندی کے باوجود سطحی نعروں اور پُر فریب اصطلاحوں سے دھوکا کھایا اور "مذہب" کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے ان کا ذہنی رویّہ عامیانہ رہا نہ کہ محققانہ اور مفکرانہ۔

جن سنگھ جیسی پارٹیوں کی دورنگی پالیسی پر گرفت کرتے ہوئے موصوفہ نے ٹھیک کہا کہ :-

"جب ہندوستان میں ہماری مخالف تحریک چلتی ہے تو یہ اسے علیحدگی پسندی اور غدّاری سے تعبیر کرتے ہیں لیکن پاکستان میں جب قومی زبان کی مخالفت ہوتی ہے تو اسے لے کر بیجا خوشی کا اظہار ہوتا ہے۔"

لیکن کیا کانگریس کا اندازِ فکر اور فعل و عمل ایسی ہی دورنگی سے آلودہ نہیں ہے۔ کیا شیخ مجیب کے مطالبات کو برحق ماننے اور بنگلہ دیش کی تحریک کو مقدس اصطلاحوں سے نوازنے کا جرم تنہا جن سنگھ نے کیا ہے کانگریس نے نہیں۔ حالانکہ یہی کانگریس اپنے دیس میں اٹھنے والے ان مطالبات کو جو شیخ مجیب کے مطالبات سے ہلکے ہی ہیں، علیحدگی پسندی اور تخریب کاری اور سالمیت دشمنی سے تعبیر کرتی ہے۔ مجیب اس کے نزدیک محترم اور محمود و ممدوح مگر کرونا ندھی، نمبودری پد اور شیخ عبداللہ سرزنش کے سزاوار۔

کانگریس کو چھوڑیئے۔ خود منور ما دیوان کیا تولنے کے دو مختلف باٹ استعمال نہیں کر رہی ہیں جب کہ وہ بغیر کسی تکلف اور تامل کے بنگلہ دیش والوں کی سرگرمیوں کو "آزادی کی جد و جہد" کہتی ہیں۔ اگر حقیقی اور مصنوعی شکایات کی بنیاد پر حد سے متجاوز خود مختاری اور آزادی کا مطالبہ "تحریکِ آزادی" کے مرادف ہے تو پھر تامل ناڈ یا کشمیر یا کسی بھی ہندوستانی علاقے کے اسی طرزِ عمل کو تخریب کاری، علیحدگی پسندی، ملک دشمنی اور غدّاری کس دلیل سے کہا جا سکتا ہے اسے بھی جہادِ حریت کہیئے۔ تحریکِ آزادی قرار دیجئے۔

واقعہ یہ ہے کہ انصاف بہت مشکل ہے۔ دل و دماغ کو جانبداریوں سے بچا کر لے جانا بڑا دشوار ہے۔ اس کڑے امتحان میں صرف وہی لوگ کامیاب ہو سکتے ہیں جو روح و ضمیر کی پوری گہرائیوں کے ساتھ قرآن کے اس حکم کو مشعلِ راہ بنائیں کہ اے لوگو حق کی گواہی دو چاہے یہ تمھارے عزیز و اقربا، تمھارے ماں باپ اور تمھارے اپنے ہی نفس کے خلاف کیوں نہ پڑے۔ صَدَقَ اللّٰہُ مَولَانَا العَظِیم۔

مولوی اسعد میاں نے پھول برسائے!

ہمارے سامنے ایک ہی واقعے سے متعلق متعدد خطوط ہیں جن میں ایک خط "چمپارن ضلع مسلم لیگ" کے صدر صاحب کا بھی ہے جو باقاعدہ مطبوعہ لیٹر ہیڈ پر ہے اور اس پر دفتر کی مُہر بھی ہے۔

ان خطوط میں یہ بتایا گیا ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کے ناظمِ عمومی مولوی اسعد میاں صاحب نے بتیا میں ۲۰ اپریل ۱۹۷۱ء کو جلسۂ عام میں مندرجہ ذیل باتیں فرمائیں :-

(۱) جو جماعت یہ کہتی ہے کہ انڈیا اسٹیٹ اور حکومتِ الٰہیہ قائم کرنے کے لئے آتے ہیں وہ جھوٹی اور بے ایمان ہے۔

(۲) ایسے ناخلف، ناہمزاد مسلمان یہاں رہ گئے ہیں جو میرے پاس آکر کہتے ہیں کہ ہائے ہائے ہم مر گئے مولانا اب

ہم کیا کریں۔ میں ان سے کہہ رہا ہوں کہ زہر کھالو، مرجاؤ، سنکھیا پی لو۔

(۳) مسلم لیگ نے ملک کا بٹوارہ کرایا ہے اور لاکھوں مسلمانوں کو کٹوایا ہے۔ خدا کے لئے مسلم لیگ کو فروغ دے کر ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کا مستقبل خطرے میں نہ ڈالئے۔

(۴) فسادات میں لاکھ دو لاکھ مسلمان کٹ ہی جائیں اس سے کیا۔ مسلمانوں کی آبادی ملک میں بڑھ رہی ہے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔

اسعد صاحب کے اِن فرمودات سے مطلع کرنے والوں نے یہ بھی اطمینان دلایا ہے کہ "ہم نے غلط بیانی یا مبالغہ آرائی ہرگز نہیں کی۔ اگر کوئی ہمیں جھوٹا سمجھے تو ہم ثابت کر سکتے ہیں"۔ ہمارے نزدیک مولوی اسعد صاحب کی تقریریں ایسی چیز نہیں کہ علم و آگہی اور فکر و تحقیق کے رُخ سے ان پر سنجیدہ التفات کیا جائے لیکن اتفاق سے جمعیۃ علماء ہند کے سرکاری آرگن "الجمعیۃ" ہی کی ایک قریبی اشاعت میں چند ادارتی سطور ایسی آئی ہیں کہ ان کا بطور آئینہ مولوی اسعد میاں کے آگے رکھنا دلچسپ معلوم ہوا اسی لئے یہ چند صفحے کالے کئے جا رہے ہیں۔

۱۴ر مئی ۱۹۷۱ء کے روزنامہ الجمعیۃ کے پہلے شذرے کا عنوان ہے "اتحاد اور سالمیت کی ضرورت" اسمیں فاضل مدیر رقم طراز ہیں:-

"کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے پاکستان بنایا۔ ہرگز نہیں۔ مسلمانوں کا تصور تو آفاقی ہے۔ وہ گوشہ نشینی کے لئے کوئی خطہ تجویز نہیں کر سکتا۔ وہ مسلمان مسلمان ہی نہیں جو وصل کے بجائے فصل کا نعرہ لگائے اور اتحاد کے بجائے تقسیم کو دعوت دے۔ مگر فسطائی طاقتوں نے مسلمانوں کو غلط الزام دے کر فرقہ واریت کی آگ بھڑکائی ہے۔ اس آگ کو سرد کرنے کیلئے حکومت کو آگے قدم بڑھانا چاہیئے۔ اسے پورے عزم اور سچائی سے کہنا چاہیئے کہ ملک کی تقسیم ہندو مسلمانوں کی مرضی سے ہوئی مسلمان اقلیت میں تھے۔ اگر صرف وہی تقسیم چاہتے تو اکثریت کے سامنے ان کی کیا چلتی۔ تقسیم میں زیادہ ہاتھ سورگیہ پٹیل کا تھا۔ پنڈت نہرو، گاندھی جی سب ہی نے انجام سوچ کر تقسیم کے لئے اپنی منظوری دی۔ بھلا مسلمان جو اقلیت میں تھے ان کی بات اکثریت کس طرح مان لیتی۔"

چند سطروں بعد:-

"اکثریت نے کسی وجہ سے تقسیم کو مانا مگر افسوس کی بات ہے کہ بعد میں اس کا سارا الزام مسلمانوں پر چیپک دیا اور فسطائی طاقتوں کو اس سے غذا ملنے لگی۔"

ہمیں ان تمام سطور میں صرف ایک بات سے اختلاف ہے۔ وہ یہ کہ محترم شذرہ نگار نے "سورگیہ پٹیل" کے الفاظ استعمال کئے۔ سورگ (جنت) کا تصور برادرانِ وطن میں کیا ہے یہ وہ جانیں۔ آنجہانی پٹیل ان کی دانست میں سورگ کے مستحق ہوں اس سے بھی ہمیں بحث نہیں۔ لیکن کسی مسلمان کے لئے یہ کس طرح جائز ہے کہ وہ ایک جانے پہچانے غیر مسلم کو "جنت مکانی" لکھے۔ سورگیہ اور جنت مکانی ایک ہی مفہوم کے دو قالب ہیں۔ ہمارا خیال ہے محترم شذرہ نگار کے قلم سے بے خیالی میں یہ لغزش ہو گئی ہے اور اس بے خیالی کی نفسیاتی بنیاد اس نفاق پرور ماحول میں ہے جس میں وہ جبرِ حالات کے تحت زندگی گذار رہے ہیں۔

خیر۔ یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا۔ ملاحظہ یہ فرمایئے کہ جمعیۃ علمائے ہند کا سرکاری آرگن کیا کہہ رہا ہے اور جمعیۃ کے ناظم عمومی صاحب نے چودہ دن قبل کیا فرمایا ہے۔ منقولہ ارشادات کی شق نمبر ۳ میں ناظم صاحب نے جو کچھ

کہا وہ ٹھیک وہی ہے جسے الجمعیۃ کے فاضل مدیر فسطائی طاقتوں کی الزام تراشی قرار دے رہے ہیں۔ یعنی اسعد صاحب کی نام نہاد وطن پرستی دراصل فسطائیت کا نقاب ہے اور الجمعیۃ کے حق پسند مدیر نے اسی نقاب کو اُلٹ دیا ہے۔ اگر حیا اور عزتِ نفس کا احساس کوئی چیز ہے تو اسعد صاحب کے لئے دو ہی راستے ہیں۔ یا تو وہ جمعیت کی نظامت سے خُلع حاصل کرلیں یا پھر مدیر الجمعیۃ کو ایڈیٹری سے ہٹائیں۔ پہلا راستہ تو وہ قیامت تک اختیار نہ کرسکیں گے کیونکہ سائنس نے ابھی تک مرضِ جاہ پرستی کے ازالے کا کوئی انجکشن ایجاد نہیں کیا۔ لیکن دوسرا راستہ بھی کھیل نہیں۔ الجمعیۃ کے موجودہ مدیر اگر اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو روزنامہ الجمعیۃ کو نجیب اور باضمیر لوگ شاید ہاتھ بھی لگانا پسند نہ کریں۔

خیر۔ جن حضرات کو ایمانداری کے ساتھ یہ تحقیق کرنا ہو کہ بٹوارے کی ذمہ داری کس پر جاتی ہے وہ زیادہ نہیں صرف دو کتابیں پڑھ دیکھیں۔ مولانا آزادؒ کی "انڈیا ونس فریڈم" اور کانجی دوآرکاداس کی "محمد علی جناح" ―― ان سے کافی حد تک پتہ چل جائے گا کہ نظریۂ پاکستان سے لے کر تخلیقِ پاکستان تک اصل کارفرمائی کن اسباب و علل کی رہی اور محمد علی جناح جیسا بے لاگ قوم پرست "فرقہ پرست" کیوں بنا۔

اب آیئے شق نمبر ۱ پر بھی چند باتیں ہوجائیں۔

اگر کسی شخص کے صاحبِ علم ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ وہ مولویانہ وضع قطع رکھتا ہو اور پیری مریدی کرتا ہو اور بہت سے لوگ اسے حضرت اور مولانا اور قبلہ وکعبہ کہتے ہیں تو بے شک مولوی اسعد اصحابِ علم میں شمار ہوں گے بلکہ بقول بعض ان سے بڑا عالم آج کی دنیا میں کوئی بھی نہ ہوگا۔ لیکن اگر صاحبِ علم صرف اسے کہیں گے جس کا کوئی علمی کارنامہ بھی منظرِ عام پر موجود اور تحریر و تقریر میں وہ معروف علمی اسالیب سے کام لیتا ہو تو مولوی اسعد کو اہلِ علم میں شمار کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی خچر کو گھوڑا یا رولڈ گولڈ کو خالص سونا قرار دینے لگے۔

"جو جماعت" ―― یعنی جماعت اسلامی انبیاء اور اسٹیٹ اور حکومتِ الٰہیہ کے بارے میں کیا کہتی ہے یہ سمجھنا اہلِ علم کا کام ہے اربابِ جہل کا نہیں۔ نہ ان نازک علمی مباحث کو وہ کوتاہ فہم پیرزادے اور سجادے سمجھ سکتے ہیں جو سیاست و اقتدار کے ساتھ تصوف و طریقت کا جوڑ لگا کر عوام کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اس مواصلت سے فرزندِ اسلام کی ولادت ہوگی۔

تفنن ہرگز نہ سمجھئے۔ مولوی اسعد دینی قبیل کے جو الفاظ زبان سے نکالتے ہیں ان کی حیثیت ٹیپ ریکارڈ جیسی ہے۔ ایک سے ایک شاندار تقریر اور نغمہ اور قرأۃ آپ ٹیپ ریکارڈ سے سن سکتے ہیں مگر ٹیپ ریکارڈر کو ان میں سے کسی بھی چیز کے مضمرات، عواقب اور مطالب کا شعور نہ ہو یہ کوئی اناڑی بھی نہیں کہہ سکتا۔ اب اگر ہم عزیز موصوف کو یہ سمجھانے بیٹھیں کہ جماعتِ اسلامی حکومتِ الٰہیہ کے بارے میں کیا کہتی ہے۔ انبیاء اور اقتدار کے مابین کیا نسبتیں ہیں، قرآن و حدیث نے کیا تعلیمات پیش کی ہیں، اور مغلوب الغضب ہو کر کسی اسلام پسند جماعت کو بے ایمان اور جھوٹا کہنا کیسی بچکانہ حرکت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم بے شعور ٹیپ ریکارڈر کو ذوی العقول میں شمار کر رہے ہیں۔ بے شعور مشین پر صاحبِ فہم و شعور ہونے کا دھوکا کھا رہے ہیں۔ بھینس کے آگے بین بجانے کی کہاوت بھی ہماری اس ناسمجھی پر پانی پانی ہوجائے گی کیونکہ بھینس بہرحال کان اور احساس رکھتی ہے مگر ٹیپ ریکارڈر ایسے ہر وصف سے معرّا ہے۔

یہ مت سمجھئے کہ عزیز موصوف کو ہم ہر معاملے میں غیر ذی شعور قرار دے رہے ہیں۔ توبہ توبہ۔ بعض معاملات میں تو وہ عقیل اور دانشور ہیں۔ ایسا نہ ہوتا تو اسمبلی کی ممبری یا والد صاحبؒ کی مسندِ ارشاد وہ کیسے حاصل کرلیتے۔ اللّٰھم زد فزد۔ ہم حاسد نہیں بلکہ دعاگو ہیں کہ اللہ انھیں ترقی

دے کر وزیر بھی بنائے اور مدارج سلوک میں بھی اور اونچا اٹھائے۔ مگر ہماری دلی خواہش یہ ہے کہ وہ ہر میدان میں چوکڑیاں بھرنے کی زحمت نہ فرمایا کریں۔ "مسلم لیگ" کی حد تک تو خیر انھیں معذور سمجھا جاسکتا ہے کیونکہ یہی وہ "حرافہ" ہے جس نے غیر منقسم ہندوستان کے آخری الیکشن میں جمعیۃ علماء کا خانہ خراب کر دیا تھا۔ یہی وہ "بلا" ہے جس نے جمعیۃ علماء کے واحد نمائندگی کے پیدائشی دعوے کو غسل اور کفن کے بغیر ہی زمین میں دبا دیا تھا۔ اس سے موصوف کو غلبنی کد ہو وہ تھوڑی اور اس پر تبرّا جوں کہ قوم پرستی کو مضبوط اور مستند بنانے کا کارگر نسخہ ہے اس لئے تجارتی اور سیاسی ہر اعتبار سے اس کے لتّے لینا اور اس پر آنکھیں نکالنا قابلِ فہم اور نفع بخش۔

لیکن غریب جماعت اسلامی تو نہ سیاسی حریف ہے نہ بغلی دشمن۔ وہ کم سے کم بھارت کی حد تک آپ کی نہ کرسی چھینتی ہے نہ خلافت۔ اس کے اخبار "دعوت" میں کبھی آپ کا ذکر دشمن کی حیثیت میں نہیں آتا۔ اس نے کبھی آپ کے ایمان اور صداقت گوئی پر لعن طعن نہیں کیا۔ پھر آخر کیوں آپ اس کے تعلق سے انبیاء اور اسٹیٹ جیسے الفاظ کی معنویت پر بٹہ لگاتے اور سادہ لوحوں پر رنگ جماتے ہیں۔ کیوں آپ فضول گوئی کر کے اہلِ فہم کو "چہل سال عمرِ عزیزت گزشت" والا شعر یاد دلاتے ہیں۔ یہ قوم کی خیر خواہی نہیں بلکہ لونڈا پن ہے کہ جن علمی و فکری مباحث کو عوام الناس تو کیا خود آپ نہیں سمجھ سکتے انھیں پروپیگنڈے اور نعرہ بازی کی سان پر چڑھائیں۔

مانیں نہ مانیں آپ کو یہ اختیار ہے
ہم نیک بد جناب کو سمجھائے جائیں گے

جہاں تک دوسری اور چوتھی شقوں کا تعلق ہے ہم ان پر کوئی اعتراض اس لئے نہیں کرتے کہ سیاق و سباق کے تغیر سے ان کا مفہوم و منشاء متغیر ہو سکتا ہے۔ بعض حالتوں میں اس قسم کی سرزنش اور گرم گفتاری تادیباً بھی ہوتی ہے جس کے پیچھے محبت اور ہمدردی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ہمیں یقین ہے کہ مولوی اسعد صاحب ملک و ملّت کے دشمن نہیں ہیں۔ بہی خواہ ہیں۔ ہمدرد ہیں۔ وہ ہرگز نہیں چاہتے کہ مسلمان برباد ہوں۔ خودکشی کریں۔ لٹیں پٹیں۔ اب یہ الگ بات ہے کہ ناسمجھی اور عدمِ تحمل کی بنیاد پر وہ جوشِ خطابت میں غلط سلط الفاظ بول جائیں۔

اللہ تعالیٰ انھیں عقلِ سلیم عطا فرمائے اور جماعتِ اسلامی کی نامراد دشمنی نے زنگ کی جو تہہ ان کے دل و دماغ پر چڑھادی ہے اسے دھونے کے لئے اللہ تعالیٰ آسمان سے کسی کیمیاوی تیل کی بارش فرمادے۔ ہم جیسوں کی نصیحت تو وہ مان نہیں سکتے۔

ان کے معتقدین یہ خیال نہ فرمائیں کہ ملک و ملّت کی جو خدمات وہ فرماتے رہتے ہیں ان سے ہم آگاہ نہیں۔ الحمدللہ ہم بخوبی آگاہ ہیں اور ہر اس خدمت کی تہہِ دل سے قدر کرتے ہیں جو واقعی خدمت ہو اور اسلامی نقطۂ نظر سے اسے مستحسن کہا جاسکے۔ لیکن اپنے فکر و فہم کی استعداد اور اپنے علم و خبر کی دسترس سے آگے بڑھ کر جب وہ بعض مسائل پر بے نقط انداز میں زبان کھولتے ہیں تو ہمیں تکلیف ہوتی ہے کہ ایک اچھا بھلا آدمی کم عقلی کے کس اندھیرے میں جا پڑا۔ خصوصاً جماعتِ اسلامی کے سلسلے میں تو ان کی روش بہت ہی گھٹیا ہے۔ کتنا بڑا سا جسم اور کتنا چھوٹا سا ظرف۔ کیسی کٹورا سی آنکھیں اور کتنی تنگ نظر! یہ اندوہناک صورتِ حال کس حسّاس آدمی کے لئے باعثِ کرب نہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو تعصب، نادانی اور جہلِ مرکب سے بچائے۔

مولانا آزاد کی چار کتابیں

حقیقۃ الصلوٰۃ نماز اور اس کے متعلقات پر علم و حکمت کے رُخ سے بے نظیر گفتگو۔ شائقین کی خدمت میں ہم قدیم الہلال ایجنسی کا شائع کردہ اصل نسخہ ہی پیش کر رہے ہیں۔ ڈیڑھ روپیہ۔

حقیقۃ الزکوٰۃ زکوٰۃ اور اس کے متعلق جملہ تفصیلات کا محققانہ بیان۔ سود، احتکار اور سوشلزم کی بحثیں۔ قیمت — ایک روپیہ۔

اُمّ الکتاب سورۂ فاتحہ کی تفسیر
مجلد — آٹھ روپے

مسئلہ خلافت خلافت کے تاریخی و علمی مسئلے پر اہم گفتگو۔ قیمت۔ پانچ روپے۔

اسلام کیا ہے؟ مولانا منظور نعمانی کی وہ مشہور کتاب جس میں اسلام کا تفصیلی تعارف اس انداز میں کرایا گیا ہے کہ ہر استعداد کا آدمی اس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ (اُردو) قیمت۔ ڈھائی روپے ۲/۵۰
ہندی چار روپے — انگریزی آٹھ روپے۔

دینِ الٰہی اور اس کا پس منظر اکبری دَور کے مذہبی اور سیاسی فتنوں کا فکر انگیز جائزہ جو بیش بہا معلومات کا گنجینہ ہے۔ قیمت مجلد — سات روپے۔

تزکیۂ نفس تزکیہ کی اصل، اس کے علمی و عملی اقسام، اس کے حصول کی صورتیں، اس کی اہمیت و ضرورت ہر اس شخص کے لئے رہنما جو اپنے نفس کا تزکیہ چاہتا ہے۔ قیمت مجلد — ساڑھے چھ روپے ۶/۵۰۔

شہدائے بدر رض شہدائے بدر کے مختصر حالات و کوائف۔ قیمت — ۶۰ پیسے۔

مسجد سے میخانے تک یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ملّا ابن العرب مکی کے شہ پاروں کو تھوڑے تھوڑے وقفے سے پڑھنا بھی لطف سے خالی نہیں ان میں تبسم کی چاندنی اور طنز کی نمکینی ہی نہیں افادیت بھی ہے' ملّا فقط طنز برائے طنز اور مزاح برائے مزاح پر بس نہیں کرتا وہ کسی نہ کسی اخلاقی مقصد پر بھی آپکی توجہ منعطف کراتا ہے۔ حصہ اوّل' پانچ روپے ۷۵ پیسے۔ حصہ دوم' چھ روپے ۷۵ پیسے۔

اذکارِ مسنونہ زندگی کی تمام ضرورتوں اور دشواریوں کیلئے مسنون تسبیحات و اوراد ہر مسلمان کے کام کی چیز ہے۔ قیمت مجلد — چار روپے۔

اسلام ایک نظر میں اختصار کیساتھ اسلام کا تعارف کرانے والی مقبول کتاب۔ مجلد ساڑھے تین روپے

تقلید کیا ہے؟ تقلید کی ضرورت، حدود قیود اور شرعی حیثیت پر دلائل کی روشنی میں تسلی بخش گفتگو۔ ۵۰ پیسے

آدابِ زیارتِ قبور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور مولٰنا محمد سلطان کے فرمودات ۵۰ پیسے

ارکانِ اسلام اسلامی عقائد و فرائض کے مصالح و محاسن عام فہم زبان میں۔ دو روپے۔

فنّ اسماء الرّجال احادیث مقدسہ کو محفوظ کرنے اور صحت و غلط میں تمیز کیلئے محدثین نے اسماء الرجال کا جو فن ایجاد کیا وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اس جلیل القدر فن کی تفصیلات جاننے کے لئے یہ کتاب خاصے کی چیز ہے۔ قیمت — ایک روپیہ ۷۵ پیسے۔

قرآنِ محکم آیات کے نسخ پر ایک دلچسپ بحث۔ قیمت مجلد — ڈھائی روپے۔

سَو بڑے آدمی جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ یہ کتاب تاریخ کے سو بڑے آدمیوں کا مختصر تعارف کراتی ہے۔ دلچسپ اور معلومات سے پُر۔ ساڑھے تین روپے۔

مکتبۂ تجلّی۔ دیوبند (یو۔پی)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

تفہیم القرآن

الملک (۳) پارہ ۲۹

وہی تو ہے جس نے تمھارے لئے زمین کو تابع کر رکھا ہے، چلو اُس کی چھاتی پر اور کھاؤ خدا کا رزق[۲۳]۔
اُسی کے حضور تمھیں دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے[۲۴]۔ کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ وہ جو آسمان میں ہے[۲۵]، تمھیں زمین

۲۳؎ یعنی یہ زمین تمھارے لئے آپ سے آپ تابع نہیں بن گئی ہے اور وہ رزق بھی جو تم کھا رہے ہو خود بخود یہاں پیدا نہیں ہو گیا ہے بلکہ اللہ نے اپنی حکمت اور قدرت سے اس کو ایسا بنایا ہے کہ یہاں تمھاری زندگی ممکن ہوئی اور یہ عظیم الشان کرّہ ایسا پرسکون بن گیا کہ تم اطمینان سے اس پر چل پھر رہے ہو اور اس میں تمھارے لئے زندگی بسر کرنے کا بے حد و حساب سرو سامان فراہم ہو گیا۔ اگر تم غفلت میں مبتلا نہ ہو اور کچھ ہوش سے کام لے کر دیکھو تو تمھیں معلوم ہو کہ اس زمین کو تمھاری زندگی کے قابل بنانے اور اس کے اندر رزق کے اتھاہ خزانے جمع کر دینے میں کتنی حکمتیں کار فرما ہیں۔ (تشریح کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد سوم، النمل، حواشی ۷۳، ۷۴، ۸۱۔ جلد چہارم، یٰس، حواشی ۲۹، ۳۲، المومن، حواشی ۹۰، ۹۱۔ الزخرف حاشیہ ۷۔ الجاثیہ، حاشیہ ۷۔ جلد پنجم، ق، حاشیہ ۱۸)۔

۲۴؎ یعنی اس زمین پر چلتے پھرتے اور خدا کا بخشا ہوا رزق کھاتے ہوئے اس بات کو نہ بھولو کہ آخرکار تمھیں ایک دن خدا کے حضور حاضر ہونا ہے۔

۲۵؎ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں رہتا ہے بلکہ یہ بات اس لحاظ سے فرمائی گئی ہے کہ انسان فطری طور پر جب خدا سے رجوع کرنا چاہتا ہے تو آسمان کی طرف دیکھتا ہے۔ دعا مانگتا ہے تو آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے۔ کسی آفت کے موقع پر سب سہاروں سے مایوس ہوتا ہے تو آسمان کا رُخ کر کے خدا سے فریاد کرتا ہے۔ کوئی ناگہانی بلا آپڑتی ہے تو کہتا ہے یہ اوپر سے نازل ہوئی ہے۔ غیر معمولی طور پر حاصل ہونے والی چیز کے متعلق کہتا ہے یہ عالم بالا سے

میں دھنسا دے اور یکایک یہ زمین جھکولے کھانے لگے؟ کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ وہ جو آسمان میں ہے تم پر پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیج دے؟ [۲۶] پھر تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ میری تنبیہ کیسی ہوتی ہے [۲۷]۔ ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگ جھٹلا چکے ہیں۔ پھر دیکھ لو کہ میری گرفت کیسی سخت تھی [۲۸]۔ کیا یہ لوگ اپنے اوپر اڑنے والے پرندوں کو پر پھیلائے اور سکیڑتے نہیں دیکھتے۔ رحمٰن کے سوا کوئی نہیں جو انھیں تھامے ہوئے ہو [۲۹]۔ وہی ہر چیز کا نگہبان ہے [۳۰]۔

آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتابوں کو کتب سماوی یا کتب آسمانی کہا جاتا ہے۔ ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص ایک کالی لونڈی کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھ پر ایک مومن غلام آزاد کرنا واجب ہو گیا ہے، کیا میں اس لونڈی کو آزاد کر سکتا ہوں؟ حضورؐ نے اس لونڈی سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ اس نے انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا۔ حضورؐ نے پوچھا اور میں کون ہوں؟ اس نے پہلے آپؐ کی طرف اور پھر آسمان کی طرف اشارہ کیا جس سے اس کا یہ مطلب واضح ہو رہا تھا کہ آپ اللہ کی طرف سے آئے ہیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا 'اسے آزاد کر دو' یہ مومنہ ہے۔ (اسی سے ملتا جلتا قصہ مؤطا، مسلم اور نسائی میں بھی روایت ہوا ہے) حضرت خولہ بنت ثعلبہ کے متعلق حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ لوگوں سے فرمایا 'یہ وہ خاتون ہیں جن کی شکایت سات آسمانوں پر سنی گئی' (تفسیر سورۂ مجادلہ، حاشیہ ۲ میں ہم اس کی تفصیل نقل کر چکے ہیں)۔ ان ساری باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بات کچھ انسان کی فطرت ہی میں ہے کہ وہ جب خدا کا تصور کرتا ہے تو اس کا ذہن نیچے زمین کی طرف نہیں بلکہ اوپر آسمان کی طرف جاتا ہے۔ اسی بات کو ملحوظ رکھ کر یہاں اللہ تعالیٰ کے متعلق مَنْ فِي السَّمَاءِ (وہ جو آسمان میں ہے) کے الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں۔ اس میں اس شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کو آسمان میں مقیم قرار دیتا ہے۔ یہ شبہ آخر کیسے پیدا ہو سکتا ہے جبکہ اسی سورۂ ملک کے آغاز میں فرمایا جا چکا ہے کہ اَلَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا (جس نے تہ بر تہ سات آسمان پیدا کیے) اور سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (پس تم جدھر بھی رخ کرو اس طرف اللہ کا رخ ہے)۔

۲۶ مراد یہ ذہن نشین کرنا ہے کہ اس زمین پر تمھارا بقا اور تمھاری سلامتی ہر وقت اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔ اپنے بل بوتے پر تم یہاں مزے سے نہیں دندنا رہے ہو۔ تمھاری زندگی کا ایک ایک لمحہ جو یہاں گزر رہا ہے اللہ کی حفاظت اور نگہبانی کا رہین منت ہے۔ ورنہ کسی وقت بھی اس کے ایک اشارے سے ایک زلزلہ ایسا آ سکتا ہے کہ یہی زمین تمھارے لئے آغوشِ مادر کے بجائے قبر کا گڑھا بن جائے، یا ہوا کا ایسا طوفان آ سکتا ہے جو تمھاری بستیوں کو غارت کر کے رکھ دے۔

۲۷ تنبیہ سے مراد وہ تنبیہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کے ذریعے سے کفار مکہ کو کی جا رہی تھی کہ اگر کفر و شرک سے باز نہ آؤ گے اور اس دعوتِ توحید کو نہ مانو گے جو تمھیں دی جا رہی ہے تو خدا کے عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔

۲۸ اشارہ ہے ان قوموں کی طرف جو اپنے یہاں آنے والے انبیاء کو جھٹلا کر اس سے پہلے مبتلائے عذاب ہو چکی تھیں۔

۲۹ یعنی ایک ایک پرندہ جو ہوا میں اڑ رہا ہے، خدائے رحمٰن کی حفاظت میں اڑ رہا ہے۔ اسی نے ہر پرندے کو وہ ساخت عطا فرمائی جس سے وہ اڑنے کے قابل ہوا۔ اسی نے ہر پرندے کو اڑنے کا طریقہ سکھایا۔ اسی نے ہوا کو ان قوانین کا پابند کیا جن کی بدولت ہوا سے زیادہ بھاری جسم رکھنے والی چیزوں کا اس میں اڑنا ممکن ہوا، اور وہی ہر اڑنے والے کو فضا میں تھامے ہوئے ہے، ورنہ جس وقت بھی اللہ اپنی حفاظت اس سے ہٹالے، وہ زمین پر آ رہے۔

۳۰ یعنی کچھ پرندوں ہی پر موقوف نہیں، جو چیز بھی دنیا میں موجود ہے اللہ کی نگہبانی کی بدولت موجود ہے۔ وہی

بتاؤ آخر وہ کونسا لشکر تمہارے پاس ہے جو رحمان کے مقابلے میں تمہاری مدد کرسکتا ہے[۳۱]؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ منکرین دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ یا پھر بتاؤ کون ہے جو تمہیں رزق دے سکتا ہے اگر رحمان اپنا رزق روک لے؟ دراصل یہ لوگ سرکشی اور حق سے گریز پر اڑے ہوئے ہیں۔ بھلا سوچو جو شخص منہ اوندھائے چل رہا ہو[۳۲] وہ زیادہ صحیح راہ پانے والا ہے یا وہ جو سر اٹھائے سیدھا ایک ہموار سڑک پر چل رہا ہو؟ ان سے کہو اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، تم کو سننے اور دیکھنے کی طاقتیں دیں اور سوچنے سمجھنے والے دل دیئے، مگر تم کم ہی شکر ادا کرتے ہو[۳۳]۔

ان سے کہو" اللہ ہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا ہے اور اسی کی طرف تم سمیٹے جاؤ گے[۳۴]۔ یہ کہتے ہیں" اگر تم سچے ہو تو بتاؤ یہ وعدہ کب پورا ہوگا[۳۵]؟" کہو" اس کا علم تو اللہ کے پاس ہے، میں تو بس صاف صاف

ہر شے کے لئے وہ اسباب فراہم کر رہا ہے جو اس کے وجود کے لئے درکار ہیں اور وہی اس بات کی نگرانی کر رہا ہے کہ اسکی پیدا کردہ ہر مخلوق کو اس کی ضروریات بہم پہنچیں۔

۳۱ دوسرا ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ" رحمان کے سوا وہ کون ہے جو تمہارا لشکر بنا ہوا تمہاری دستگیری کرتا ہو" ہم نے متن میں جو ترجمہ کیا ہے وہ آگے کے فقرے سے مناسبت رکھتا ہے اور اس دوسرے ترجمے کی مناسبت اوپر کے سلسلۂ کلام سے ہے۔

۳۲ یعنی جانوروں کی طرح منہ نیچا کئے ہوئے اسی ڈگر پر چلا جا رہا ہو جس پر کسی نے اسے ڈال دیا ہو۔

۳۳ یعنی اللہ نے تو تمہیں انسان بنایا تھا جانور نہیں بنایا تھا۔ تمہارا کام یہ نہیں تھا کہ جو گمراہی بھی دنیا میں پھیلی ہوئی ہو اس کے پیچھے آنکھیں بند کرکے چل پڑو اور کچھ نہ سوچو کہ جس راہ پر تم جا رہے ہو وہ صحیح بھی ہے یا نہیں۔ یہ کان تمہیں اس لئے تو نہیں دیئے گئے تھے کہ جو شخص تمہیں صحیح اور غلط کا فرق سمجھانے کی کوشش کرے اس کی بات سن کر نہ دو اور جو غلط سلط باتیں پہلے سے تمہارے دماغ میں بیٹھی ہوئی ہیں انہی پر اڑے رہو۔ یہ آنکھیں تمہیں اس لئے تو نہیں دی گئی تھیں کہ اندھے بن کر دوسروں کی پیروی کرتے رہو اور خود اپنی بینائی سے کام لے کر یہ نہ دیکھو کہ زمین سے آسمان تک ہر طرف جو نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں وہ آیا اس توحید کی شہادت دے رہی ہیں جسے خدا کا رسولؐ پیش کر رہا ہے یا یہ شہادت دے رہی ہیں کہ یہ سارا نظام کائنات بے خدا ہے یا بہت سے خدا اس کو چلا رہے ہیں۔ اسی طرح یہ دل و دماغ بھی تمہیں اس لئے نہیں دیئے گئے تھے کہ تم سوچنے سمجھنے کا کام دوسروں کے حوالے کرکے ہر اس طریقے کی پیروی کرنے لگو جو دنیا میں کسی نے جاری کر دیا ہے اور اپنی عقل سے کام لیکر یہ سوچنے کی کوئی زحمت گوارا نہ کرو کہ وہ غلط ہے یا صحیح۔ اللہ نے علم و عقل اور سماعت و بینائی کی یہ نعمتیں تمہیں حق شناسی کے لئے دی تھیں۔ تم ناشکری کر رہے ہو کہ ان سے اور سارے کام تو لیتے ہو مگر بس وہی ایک کام نہیں لیتے جس کیلئے یہ دی گئی تھیں (مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد دوم، النحل، حواشی ۷۲-۷۳، جلد سوم، المومنون، حواشی ۷۵-۷۶۔ جلد چہارم، السجدہ، حواشی ۱۷-۱۸۔ الاحقاف، حاشیہ ۳۱)۔

۳۴ یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرکے ہر گوشۂ زمین سے گھیر لائے جاؤ گے اور اس کے سامنے حاضر کر دیئے جاؤ گے۔

۳۵ یہ سوال اس غرض کے لئے نہ تھا کہ وہ قیامت کا وقت اور اس کی تاریخ معلوم کرنا چاہتے تھے اور اس بات کے لئے تیار تھے کہ اگر انہیں اس کی آمد کا سال، مہینہ، دن اور وقت بتا دیا جائے تو وہ اسے مان لیں گے۔ بلکہ دراصل وہ اس کے آنے کو

خبردار کر دینے والا ہوں[36]۔ پھر جب یہ اُس چیز کو قریب دیکھ لیں گے تو اُن سب لوگوں کے چہرے بگڑ جائیں گے جنھوں نے انکار کیا ہے[37] اور اُس وقت ان سے کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ چیز جس کے لئے تم تقاضے کر رہے تھے۔

ان سے کہو، کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اللہ خواہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم کرے، کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟[38] ان سے کہو، وہ بڑا رحیم ہے، اُسی پر ہم ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہمارا بھروسا ہے[39] عنقریب تمھیں معلوم ہو جائیگا کہ صریح گمراہی میں پڑا ہوا کون ہے۔ ان سے کہو، کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر تمھارے کنوؤں کا پانی زمین میں اُتر جائے تو کون ہے جو اس پانی کی بہتی ہوئی سوتیں تمھیں نکال کر لا دے گا؟[40]

غیر ممکن اور بعید از عقل سمجھتے تھے اور یہ سوال اس غرض کے لئے کرتے تھے کہ اُسے جھٹلانے کا ایک بہانہ اُن کے ہاتھ آئے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ حشر و نشر کا یہ عجیب و غریب افسانہ جو تم ہمیں سنا رہے ہو آخر یہ کب ظہور میں آئیگا؟ اسے کس وقت کیلئے اُٹھا رکھا گیا ہے؟ ہماری آنکھوں کے سامنے لاکر اسے دکھا کیوں نہیں دیتے کہ ہمیں اس کا یقین آجائے؟ اس مقام پر یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ کوئی شخص اگر قیامت کا قائل ہو سکتا ہے تو عقلی دلائل سے ہو سکتا ہے اور قرآن میں جگہ جگہ وہ دلائل تفصیل کیساتھ دیدیئے گئے ہیں۔ رہی اُسکی تاریخ، تو قیامت کی بحث میں اُس کا سوال اٹھانا ایک جاہل آدمی ہی کا کام ہے۔ کیونکہ اگر بالفرض وہ بتا بھی دی جائے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نہ ماننے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ جب وہ تمھاری بتائی ہوئی تاریخ پر آجائیگی تو مان لوں گا، آج آخر میں کیسے یقین کر لوں کہ وہ اُس روز ضرور آجائیگی۔ (مزید تشریح کیلئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد چہارم، لقمان، حاشیہ ۶۳۔ الاحزاب، حاشیہ ۱۱۶۔ سبا، حواشی ۵-۴۸۔ یٰس، حاشیہ ۴۵)۔

[36] یعنی یہ تو مجھے معلوم ہے کہ وہ ضرور آئیگی اور لوگوں کو اسکی آمد سے پہلے خبردار کر دینے کیلئے یہی جاننا کافی ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ کب آئیگی تو اس کا علم اللہ کو ہے مجھے نہیں ہے۔ اور خبردار کرنے کیلئے اس علم کی کوئی حاجت نہیں۔ اس معاملے کو ایک مثال سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ بات کہ کون شخص کب مریگا، اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ البتہ یہ ہمیں معلوم ہے کہ ہر شخص کو ایک دن مرنا ہے۔ ہمارا یہ علم اس بات کیلئے کافی ہے کہ ہم اپنے کسی غیر محتاط دوست کو یہ تنبیہ کریں کہ وہ مرنے سے پہلے اپنے مفاد کی حفاظت کا انتظام کر لے۔ اس تنبیہ کیلئے یہ جاننا ضروری نہیں کہ وہ کس روز مرے گا۔

[37] یعنی ان کا وہی حال ہوگا جو پھانسی کے تختے کی طرف لے جائے جانے والے کسی مجرم کا ہوتا ہے۔

[38] مکہ معظمہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا آغاز ہوا اور قریش کے مختلف خاندانوں سے تعلق رکھنے والے افراد نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا تو گھر گھر حضورؐ اور آپ کے ساتھیوں کو بددعائیں دی جانے لگیں، جادو ٹونے کئے جانے لگے تاکہ آپ ہلاک ہو جائیں۔ حتیٰ کہ قتل کے منصوبے بھی سوچے جانے لگے۔ اس پر یہ فرمایا گیا کہ اِن سے کہو، خواہ ہم ہلاک ہوں، یا خدا کے فضل سے زندہ رہیں، اس سے تمھیں کیا حاصل ہوگا؟ تم اپنی فکر کرو کہ خدا کے عذاب سے تم کیسے بچو گے۔

[39] یعنی ہم خدا پر ایمان لائے ہیں اور تم اس سے انکار کر رہے ہو، ہمارا بھروسا خدا پر ہے اور تمھارا اپنے جتھوں اور اپنے وسائل اور اپنے معبودانِ غیر اللہ پر۔ اس لئے خدا کی رحمت کے مستحق ہم ہو سکتے ہیں نہ کہ تم۔

[40] یعنی کیا خدا کے سوا کسی میں یہ طاقت ہے کہ ان سوتوں کو پھر سے جاری کر دے؟ اگر نہیں ہے اور تم جانتے ہو کہ نہیں ہے تو پھر عبادت کا مستحق خدا ہے یا تمھارے وہ معبود جو انھیں جاری کرنے کی کوئی قدرت نہیں رکھتے؟ اس کے بعد تم خود اپنے ضمیر سے پوچھو کہ گمراہ خدائے واحد کو ماننے والے ہیں یا وہ جو شرک کر رہے ہیں؟

(مسلسل)

شرح صحیح مسلم

کتاب الایمان

احسان کیا ہے؟

تقدیر کے مسئلے سے بقدرِ ضرورت فارغ ہوکر اب "احسان" کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ مناسب ہوگا کہ قارئین اس موقعہ پر مئی ۷۱ء کا تجلی کھول کر پوری حدیث ایک بار پھر پڑھ لیں۔ ہم وہاں تھوڑی سی وضاحت احسان کی بھی کر آئے ہیں۔

جبریلؑ نے حضورؐ سے دریافت کیا تھا:۔

"اخبرنی عن الاحسان (مجھے بتائیے احسان کیا ہے؟)"

حضورؐ نے اس کا جواب دیا تھا:۔

"احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا اس کو دیکھ رہے ہو۔ پس اگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو وہ تمہیں یقیناً دیکھ رہا ہے۔"

احسان کا مادہ حُسن ہے حُسن کے معنی معروف ہیں۔ خوبصورتی۔ جمال دلکشی۔ حُسن کی جمع خلافِ قیاس طور پر محاسن آتی ہے۔ صفت حَسَن۔ حسین۔ حاسن۔

احسان کے دو معنی ہیں۔ بھلائی کرنا اور کسی کام کو اچھی طرح سے کرنا۔ ہم جب کسی کام کو عمدگی اور مضبوطی کے ساتھ انجام دیدیں تو کہیں گے اَحْسَنْتُ کذا۔ اور جب اپنے کسی اچھے کام سے دوسرے کو نفع پہنچا دیں تو کہیں گے کہ اَحْسَنْتُ الیٰ فلانٍ۔

لفظ احسان کا دین کی ایک خاص اصطلاح کی حیثیت سے مستعمل ہونا قرآن کی بنیادوں پر ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا۔

وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (بقرہ ۱۹۵)	اور بھلائی کرو بیشک اللہ پسند کرتا ہے بھلائی کرنے والوں کو

سورۂ مائدہ (آیت ۹۳) میں فرمایا گیا:۔

ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا	پھر ڈرتے رہے اور نیکی کی۔

سورۂ یونس (آیت ۲۶) میں ارشاد ہوا:۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ	جن لوگوں نے بھلائی کی ان کیلئے بھلائی ہے اور کچھ زیادہ بھی۔

سورہ الرحمٰن (آیت ۶۰) میں ارشاد ہوا:۔

هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۔	بھلائی کا بدلہ کچھ نہیں سوائے بھلائی کے۔

اور بہت سی آیات ہیں جن میں یہ لفظ اسم و فعل دونوں شکلوں میں استعمال ہوا ہے۔ اصطلاح دینی کے اعتبار سے اس کا مفہوم مجرد بھلائی کرنا نہیں ہوتا بلکہ جب کسی کارِ خیر کو بظاہر کامل طور پر عمدہ طریقے سے انجام دیدیا جائے اس وقت "احسان" کا اطلاق ہوتا ہے۔ محاورۃً یوں کہیئے کہ کسی نیکی کا پورا حق ادا کرنے کو "احسان" کہتے ہیں۔ مثلاً نماز پڑھی جائے اس کے تمام فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات کی بجا آوری کے ساتھ تو اس کا نام "احسان" ہے۔

حضورؐ نے جبریلؑ کو جو جواب عطا فرمایا اس میں دو حالتوں کی طرف اشارہ پایا گیا۔ ایک یہ کہ بندے پر

مشاہدۂ حق کی کیفیات کا ایسا غلبہ ہو جائے کہ ہر طرف باری تعالیٰ ہی کی تجلیات نظر آنے لگیں اور جملہ ماسوا حتیٰ کہ اپنی ذات بھی ان تجلیات کے ہجوم میں گم ہو جائے۔ دل و دماغ کی پہنائیوں پر انوارِ الٰہی کی ردائے بسیط اس طرح پھیل جائے کہ دوسرا ہر نقش اس کے پیچھے چھپ جائے۔ ہر ہر ذرّے میں ذاتِ حق کی جلوہ طرازی فقط ایک علمی نظریہ اور روایتی عقیدہ نہ رہے بلکہ مشاہدے اور مکاشفے کے درجے میں آجائے۔ اس وقت بندہ اس کیفیت میں ہوگا گویا باری تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ یہی وہ کیفیت ہے جس کے احاطے اور ہجوم نے بعض اہل اللہ کی زبان سے "انا الحق" جیسے مغالطہ آفریں الفاظ کہلا دیئے اور قانونِ شریعت کو ان کے خلاف حرکت میں آنا پڑا۔ قانون بھی اپنی جگہ حق بجانب تھا اور یہ حضرات بھی باطل پر نہیں تھے مگر افتاد یہ پڑی کہ ان حضرات کے اعصابِ فکر اور اور قوائے ذہن اس طاقت ور کیفیت کا ایسا تحمل نہیں کر سکے جس سے داخلی مشاہدے اور قانونِ شرعی میں ہم آہنگی قائم رہتی اور وہ تصادم ظہور میں نہ آتا جس کے نتیجے میں قانون کے دیدۂ ظاہر نے انھیں مجرم قرار دیا۔

بہر حال یہ بحث الگ ہے۔ استغراقی کیفیات کا کچھ نہ کچھ تجربہ تو کم و بیش ہر شخص رکھتا ہے۔ آپ کسی گہری سوچ میں چلے جا رہے ہیں۔ آپ کا دوست بکر پاس سے گزر گیا مگر آپ کو خبر بھی نہ ہوئی۔ حالانکہ اس کے جسم اور آپ کی آنکھوں کے درمیان کوئی دیوار حائل نہ تھی۔ لیکن آپ کی استغراقی کیفیت حجاب بن گئی۔

کچھ ایسی ہی نوعیت تصورِ حق اور خیالِ باری میں مستغرق ہونے سے پیدا ہو جاتی ہے کہ خارج میں پائی جانے والی مادّی اشکال اور مرئی اشیاء نظروں سے اوجھل نہ ہونے کے باوجود اوجھل ہو جاتی ہیں۔ جیسے ایک آئینے کے پیچھے سے تیز روشنی آرہی ہے۔ آئینہ اس صورت میں غائب تو نہیں ہوتا۔ اس کے مدھم سے خطوط سامنے ہی رہتے ہیں لیکن نظریں تمام تر روشنی پر مرکوز ہو جاتی ہیں اور آئینے کا وجود نہ ہونے کے درجے میں آجاتا ہے۔ غرض تصور بندے کے سامنے ایک ہی جلوہ ہوتا ہے تعینات سے بے نیاز۔ بسیط و بیکراں۔ محیط اور ہمہ گیر۔ مادّی اجسام کی ذہنی تصویریں آئینے جیسی شفاف ہیئت اختیار کر لیتی ہیں۔ یہی وہ عالم ہے جس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ بندہ اللہ کو گویا آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ یہ احسان کی ارفع و اعلیٰ شکل ہے بشرطیکہ قوائے باطنی اسے برداشت کر سکیں اور ایسی بے خودی پیدا نہ ہو کہ شرعی حدود کا بھی لحاظ باقی نہ رہے۔

دوسری حالت —— جس کی طرف حضورؐ کے جواب میں اشارہ ہے یہ ہے کہ بندے کو ہر وقت یہ مستحضر رہے کہ جو کچھ بھی وہ کر رہا ہے اور کرے گا سب سے اللہ تعالیٰ مطلع ہے۔ خوب خوب آگاہ ہے۔ نہ صرف ظاہر کو بلکہ باطن کو بھی آخری تہوں تک دیکھ رہا ہے۔ نیتوں اور خیالوں اور وسوسوں اور واہموں تک پر اس کی نظر ہے۔ لہٰذا کسی کسی بھی نافرمانی اور کوتاہی کو اس سے پوشیدہ نہیں رکھا جا سکتا۔ کسی بھی غفلت اور تساہل کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ نہ کوئی نیکی ایسی ہے جو اس کی نظر میں آنے سے رہ جائے اور ثواب کی امید منقطع ہو جائے۔

یہ دونوں ہی حالتیں اللہ کی معرفت اور اس کے خوف میں اضافہ کرنے والی ہیں۔ چنانچہ بعض روایات میں بطورِ تعبیر یہ الفاظ موجود ہیں کہ اَن تخشی اللّٰہَ کانّک تراہ (ڈر یہ کہ تو ڈرے اللہ سے اس طرح جیسے اسے اپنی آنکھوں کے سامنے پا رہا ہے) اگر مثلاً ہم نماز میں کھڑے ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں حضوری کا ایسا زندہ احساس ہمارے اندر موجود ہے کہ گویا اسے سامنے پا رہے ہیں تو ہم اپنے امکان بھر نماز کو عمدگی کے ساتھ ادا کریں گے اور دانستہ کسی خامی یا سستی کو راہ نہیں پانے دیں گے لیکن اگر احساس اس نوع کا نہ ہو اور بس اتنا ہی ہمیں استحضار رہے کہ باری تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں تب بھی ہمارا رویہ پہلی